R. No. 2186/57 Regd. No. L592

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۳ - شمارہ ۲۶	ایڈیٹر - آل احمد سرور	۸ ر جولائی سنہ ۱۹۶۴ء

اداریہ

اردو کی تعلیم کے لئے درخواستیں بھجوایئے

دنیا میں سب سے بڑی چیز استقلال ہے۔ اگر آپ اپنی بات پر جمے رہیں اور جرأت و ہمت کے ساتھ اپنا مطالبہ پیش کرتے رہیں تو بالآخر آپ سرخرو ضرور ہوں گے۔ اُردو دوستوں کو یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیئے سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں تیسری زبان کا سوال ہے اُتر پردیش میں تیسری زبان کوئی جدید ہندوستانی زبان ہونی چاہیئے تھی۔ مگر یہاں کے ارباب حل وعقد نے سنسکرت کو بھی اس میں شامل کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سنسکرت کا تو انتظام ہوگیا، باقی زبانوں کے لئے کچھ بھی نہ ہوا، صرف چند جگہ بہت شور مچانے کے بعد اُردو کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ خیر اگر کوئی سنسکرت پڑھنا چاہتا ہے تو ہم اُسے کیوں روکیں اور روکنے والے ہم کون ہوتے ہیں، مگر حکومت کی یہ بڑی زیادتی ہے کہ اُردو کے لئے انتظام نہیں کیا جاتا۔ حکومت اس معاملے میں نہ صرف اپنے فرض سے غافل رہی ہے بلکہ اس فرض سے بچنے کے لئے بہانے بھی تراشتی رہی ہے۔ مگر ریاستی حکومت کو الزام دینا کافی نہیں۔ اس معاملے میں اُردو دوستوں، خصوصاً ہماری شاخوں کی کوتاہی بھی افسوسناک ہے۔ آخر وہ سرپرستوں سے درخواستیں کیوں نہیں دلواتے اور ان درخواستوں کی نقلیں ریاستی شاخ کو اور ہمیں کیوں نہیں بھجواتے۔

ریاستی حکومت کے وزیر تعلیم نے ودھان پریشد میں اعلان کیا ہے کہ اگر پانچ طلبہ بھی اُردو پڑھنا چاہیں گے تو اُن کے لئے ضرور انتظام کیا جائے گا۔ ہمیں وزیر تعلیم کو یہ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہیئے کہ معقول تعداد میں درخواستیں نہیں آئیں اور اس لئے انتظام نہ ہوسکا مانا کہ اس سلسلے میں ہمارا تجربہ خاصا تلخ ہے۔ بانکا انتظام کرنے کے بجائے مقامی افسر اور پرنسپل بہانے کرتے رہیں کہ اوپر لکھا گیا ہے اور اُستاد مانگا گیا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی کیسے ہوگئے کہ ہم درخواستیں بھجوانے میں کوتاہی کریں آج کل صرف مطالبے کا معقول ہونا کافی نہیں، آج کل صرف ایک نیک خواہش کا اظہار کافی نہیں، آج کل صرف حکومت کا ایک اعلان کافی نہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ اس پر عمل کرایا جائے۔ سرکاری افسر اور پرنسپل وزیر تعلیم کے حکم پر خود سے عمل نہیں کریں گے، ہمیں پیہم درخواستیں دے کر اُن سے عمل کرانا ہوگا۔ اس معاملے کو لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی مدد سے اور پارلیمنٹ کی مدد سے طے کرانا ہوگا۔ اس لئے بددلی اور مایوسی کو چھوڑ کر اس بنیادی کام میں لگ جانا چاہیئے۔ اب بھی وقت ہے۔ اگر ذرا سی کوشش کی جائے تو ہر ضلع کے دس بیس مڈل اسکولوں میں اُردو کی تعلیم کا انتظام ہوسکتا ہے۔ اگر یہ انتظام

اس اشاعت میں

ہو گیا تو ریاست کی فضا بدل جائے گی۔ ایسی ایک انتظام سے اردو کے حق میں انصاف کے نئے راستے اور کھلیں گے۔ انجمن کی مقامی شاخوں کو خصوصاً اور اردو دوستوں کو عموماً سو کام چھوڑ کر اس کام میں لگ جانا چاہئے۔ ایک دوسرے کو الزام دینے سے کام نہ چلے گا۔ جس سے ہو سکے وہ یہ کام کرے۔ اور ریاستی شاخ اور مرکز کو اطلاع دیتا رہے۔ ع

پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

سیر بین

افسوس ہے کہ پنڈت نہرو کی یادگار قائم کرنے کے سلسلے میں جتنے منہ اتنی باتیں ہیں۔ ہر شخص ایک علٰحدہ تجویز پیش کرتا ہے۔ کوئی اپنے شہر کی کسی سڑک کا نام نہرو روڈ رکھنا چاہتا ہے، کوئی دہلی میں راج پتھ کا نام بدل کر نہرو مارگ رکھنا چاہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ ہر اخبار نے علٰحدہ علٰحدہ نہرو فنڈ کھلوا رکھے ہے ہر سال ایک خاص نمبر اُن کی یاد میں نکالنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں کوئی توازن ہوتا کوئی تنظیم ہوتی، نہ زور اُن کی ظاہری یادگاروں پر نہ ہوتا بلکہ اُن کی قدروں کو اپنانے پر، اُنکی راہ پر چلنے پر، اُن کی طرح کام کرنے پر، اُن کی طرح ملک و قوم سے محبت کرنے پر، اُنکی طرح سماج کو کچھ دینے پر۔ تو کتنی اچھی بات ہوتی۔ ہم ہندوستانی ظاہری یادگاروں پر اتنا زور دیتے ہیں کہ حقیقی یادگاروں کے لئے نہ جذبہ باقی رہتا ہے نہ ولولہ۔ ہم زبان سے اپنے محسنوں کا نام لینے میں اتنے مصروف رہتے ہیں کہ ان کے کاموں کو آگے بڑھانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ گاندھی جی کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا، اُنہیں طاق پر بٹھا دیا اور بھول گئے۔ خدا نہ کرے کہ نہرو کا بھی یہی حشر ہو۔ نہرو کے راستے پر چلنا، اُن کے افکار و اقدار کو اپنانا، یہی اُن کی سب سے اچھی یادگار ہے۔

آج کل خطوں کے آخر میں پورا نام لکھنے کے بجائے دستخط کرنے کا رواج اتنا بڑھ گیا ہے کہ ان خطوں کا جواب دینا ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ فرض کیجیے کہ آپ کو کسی ادبی تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے، یا کوئی پیام مانگا گیا ہے، یا کسی موضوع پر مواد کے سلسلے میں معلومات طلب کی گئی ہیں۔ جب آپ جواب لکھنے کے لئے خط دیکھتے ہیں تو لکھنے والے کا نام نہیں پڑھا جاتا کیونکہ دستخط اس طرح کئے گئے ہیں کہ ایک ٹیڑھی لکیر سی معلوم ہوتی ہے سرکاری کاغذات میں اگر دستخط نہ پڑھے جائیں تو ایسا حرج نہیں ہوتا کیونکہ اول تو لکھنے والے کا نام خط کے سرے پر چھپا ہوتا ہے دوسرے آخر میں دستخطوں کے بعد پورا نام ٹائپ بھی ہوتا ہے لیکن ادبی مراسلات میں یا ذاتی خطوں میں صرف دستخط کرنا اور پورا نام نہ لکھنا، ایک طور پر جواب نہ دینے کا بہانہ فراہم کرتا ہے۔ آج تک خط شکست کا بڑے سے بڑا ماہر ہر دستخط پڑھ لینے پر قادر نہیں ہوا۔

کل ہند اُردو کانفرنس جے پور

اب یہ طے ہو گیا ہے کہ انجمن ترقی اُردو ہند کی کل ہند اُردو کانفرنس اکتوبر ۱۹۶۴ء میں بمقام جے پور (راجستھان) منعقد ہو گی۔ ریلوے کنسیشن خصوصی طور پر حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

کانفرنس میں انجمن کی مسلمہ مقامی اور ریاستی شاخوں کے نمائندے شریک ہو سکیں گے۔ اور چند مخصوص اُردو دوستوں کو مدعو کیا جائے گا۔ عنقریب کانفرنس کی تاریخوں اور دیگر تفصیلات کا اعلان ہو گا۔

جنرل سکریٹری

نہ جانے کیوں ہمارے شاعر برسات کی اس قدر تعریف کرتے ہیں۔ برسات کے روح پرور لمحے تو چند ہی ہوتے ہیں۔ زیادہ تر تو گرمی، گھٹن، مچھروں اور کیڑوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ سنا تھا کہ جون کے آخر تک بارش ہو جائے گی۔ مگر توبہ کیجیے ہماری ایسی قسمت کہاں۔ بادل آتے ہیں تو آندھیاں اُنھیں اُڑا لے جاتی ہیں۔ ویسے رات کو کبھی کبھار مینڈکوں کی ٹرٹر ضرور سنائی دیتی ہے۔ مگر اب تک تو بارش کا نام نہیں۔ بارش ہو گی بھی تو دو ایک دن کچھ خنکی رہے گی، پھر وہی گرمی وہی حبس، یہ بھی کوئی موسم ہے کہ ہر وقت پسینے میں نہائے ہوئے ہیں۔ رات کو روشنی کے گرد کیڑوں کا ہجوم ہے۔ کوئی کپڑوں میں گھسا جاتا ہے، کوئی آنکھوں میں۔ آم بس دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اخبار میں بڑے شوق سے مانسون کے بڑھنے کا حال پڑھتے ہیں۔ لیجیے ہوا کے دباؤ کا وہ سلسلہ جس سے کچھ امید تھی کہ ادھر کو بڑھے گا، خود بخود تحلیل ہو گیا۔ ماہرین موسمیات لاکھ قابل ہو جائیں، مگر مانسون کے مزاج کے اب تک محرم نہیں ہو پائے۔

ترجمہ عبدالحی

اسپینی ادب ۱۹۳۹ء کے بعد

(چارلس ڈیوڈلی)

خانہ جنگی نے اسپین کی ذہنی فضا کو مسموم کر دیا تھا اور یہاں کے دانشور دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ جس کے نتیجے میں دانشوروں کی ایک بڑی جماعت ترکِ وطن پر مجبور ہو گئی۔ خانہ جنگی اور بعد کے ناساعد حالات نے یہاں کے تین عظیم ترین شاعروں، لورکا (Lorca)، انطونیو مچادو (Antonio machado) اور میگوئل ہرنانڈیز (Miguel Hernandez) کی جان لے لی۔ خیال ہے کہ یونامونو (Unamuno) نے تو ایک عام جلسے میں جس میں وطن پرست رہنما بھی شریک تھے، برملا یہ کہہ دیا تھا کہ اپنی طاقت کے بل پر چاہے آپ لوگوں کو مغلوب کر لیں لیکن اُن کے دل نہیں جیت سکتے یہ بھی ایک حُسنِ اتفاق ہی تھا کہ اس کو اس باغیانہ اعلان کی سزا نہیں بھگتنا پڑی۔ لیکن آخرکار، وطن کے انجام کی فکر جان لیوا ثابت ہوئی اور یونامونو کا انتقال ہو گیا۔ جوان رامون جیمنیز (Juan Ramon Jimenez)، سرنودا (Cernuda) اور البرٹی (Alberti) جیسے بڑے شاعر وطن سے ہجرت کر گئے۔ لیکن اسپینی شاعری اس افراتفری میں بھی زندہ رہی۔ الکسندر (Sr. Alexandre) دیگو (Diego) دان داماسو الانسو (Don Damaso Alonso) جیسے بعض بڑے شاعر اسپین ہی میں مقیم رہے۔ پھر بھی کسی قسم کا انحطاط ان کی شاعری میں راہ نہ پا سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ الانسو (Sr. Alonso) کے اس دور کے کلام میں تو بے پناہ خروش موجود ہے۔ اس کے تین دیوان قہر زادے (Children of wrath) آدم و یزداں (Man & God) اور کیفِ نظارہ (Pleasure of sight) ایک ایسے شاعر کا کلام پیش کرتے ہیں جس نے تخیل کی مافوق طاقتوں کو پسپا کر کے ان پر تدریجی لیکن بھرپور فتح حاصل کی ہے۔ اسی دور میں نوجوان شاعروں کی ایک پوری نسل نے جنم لیا۔ گرسیا نائطو (Sr. Gracia nieto) مان ٹیسینو (Sr. montesinos) پراڈو (Sr. Prado) پریز والینٹ (Sr. Perez valiente) بوسونو (Sr. Bousono) نورا (Sr. nora) کریمر (Sr. Cremer) سلایا (Sr. Calaya) وغیرہ ان میں آخرالذکر تین شاعروں کا کلام تو انقلاب کے آتشیں جذبے سے معمور ہے۔ اسپین سے باہر رہنے والے تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ اس وقت کے حالات میں "ہم معاف نہیں کریں گے" (We do not forgive) جیسا شعری مجموعہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سنہ ۱۹۳۹ء کے بعد کے اسپینی شعراء کے کلام میں کوئی اپج یا جدت نہیں لیکن ان شاعروں میں سے زیادہ تر کا کلام اس دور کے دوسرے ممالک اور خود انگلستان کے ہمعصر شعراء کے کلام کا ہر طرح سے ہم پلہ ضرور ہے۔

جہاں تک نثر نگاری کا تعلق ہے اسپین میں سنہ ۱۹۱۰ء سے سنہ ۱۹۳۶ء تک کا زمانہ نثر کا زرّیں دور کہا جا سکتا ہے۔ اس زمانے میں جو نثر لکھی گئی وہ لسانی حسن اور نثر نگاری کی اعلیٰ اقدار کی آئینہ دار تھی۔ لیکن جو لوگ اسپینی زبان سے ناواقف ہیں اُن کو اس دور کی نثر کے محاسن کا پورا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسپینی نثر کا ترجمہ دوسری زبانوں میں اصل کا لطف باقی رکھتے ہوئے مشکل ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ سنہ ۱۹۳۶ء کے بعد نثر نگاری میں جمود پیدا ہو گیا۔ پائی رینیز (Pyrenees) کی حدود کے باہر یا دوسرے لفظوں میں اسپینی نہ جاننے والوں میں اگر کسی نثری تصنیف کا کچھ چرچا ہوا ہے تو وہ 'DON QUIXOTE' ہے۔ اسپینیوں کا کہنا ہے کہ ان کی نثر کا ایک خاص مزاج ہے جس کو اسپینی آب ہوا ہی راس آتی ہے۔ اپنے وطن سے نکل کر اس کے خدوخال پھیکے پڑ جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسپینی نثر کو اگر دوسری زبان میں ترجمہ کریں تو اصل کی آن بان اور رنگ و آہنگ برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ حد یہ ہے کہ اسپینی ناولوں کے ترجمے تک بالکل سپاٹ اور پھیکے ہیں۔ اسپین کا ممتاز فلسفی Gasset اگرچہ اپنے تمام ہمعصر فلسفیوں کی نسبت دوسرے ممالک میں زیادہ مقبول ہے پھر بھی اس کی تصانیف کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ بروجا (Baroja) کو اگرچہ اسپین کا زولا (Zola) کہا جاتا ہے، لیکن اُس نے اسپینی زندگی کی مخصوص روایات کے حامل بعض کرداروں کی جو قلمی تصویریں پیش کی ہیں اُن سے صرف اسپینی زبان جاننے والے ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ایک طرح سے بروجا (Baroja) کو اسپین کا زولا (Zola) کہنا ٹھیک بھی نہیں کیونکہ حقیقت میں اس کو Zola سے دور کی بھی نسبت نہیں ہے۔

یہ تو سنہ ۱۹۳۹ء سے پہلے کی نثر کا حال تھا۔ سنہ ۱۹۳۹ء کے بعد تو، کہنا چاہیے، اسپینی نثر کا تاریک دور شروع ہوتا ہے۔ بروجا (Baroja) کی سرگزشت (Memoirs)

اور ڈاکٹر مارانون (Maranon) کی انطونیو پیریز (Antonio Perez) ـــــ یہی دو کتابیں اس دور کی کامیاب نثری تصنیفیں ہیں۔ بروجا کی "سرگذشت" میں شراب کہنہ کی لذت موجود ہے۔ اور اُس کے پرانے مخصوص طرزِ تحریر کی جھلکیاں اس تصنیف میں بھی نظر آتی ہیں۔ انطونیو پیریز ایک "سیاسی طنزیہ" ہے۔ اس میں تاریخی واقعات اور عہدِ پارینہ کی تاریخی شخصیتوں کو ہدف بنا کر اپنے دور کے مطلق الحکم حاکموں پر طنز کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اس کتاب میں ادبی چاشنی بدرجہ اتم موجود ہے اور اس کے پیش نظر یہ کتاب ادبِ عالیہ کی کتابوں میں جگہ پانے کے لائق ہے۔

اسپین کی موجودہ حکومت کو شروع شروع میں "نوجوان ادب" کی ہمت افزائی اور اس کو فروغ دینے کی فکر ہوئی۔ چنانچہ پریس کے سربراہ "اپاریسیو" (Sr. Aparicio) نے کئی ادبی جریدوں کی بنیاد ڈالی۔ ان میں ایک پندرہ روزہ جریدہ ایسا تھا جس کی ہر اشاعت میں ایک ناٹک (Play) ایک مکمل شعری مجموعہ اور چند کہانیاں شامل ہوتی تھیں۔ ان مضامین میں کسی قسم کے سیاسی حوالے یا اشارے نہیں ہوتے تھے۔ نہ حکومت کے موافق اور نہ حکومت کے مخالف۔ بالکل اسی طرح جیسے شکسپیر (Shakespeare) کے ڈراموں میں اس زمانے کے مذہبی مسائل کے متعلق کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ دنیا کے کسی ملک میں بھی نوجوانوں کو اتنی آسانی سے اپنی تحریروں کی اشاعت اور کم عمری میں ہی ادیب کی حیثیت سے شہرت حاصل کرنے کی اتنی آسانیاں حاصل نہ تھیں جتنی کہ اسپین میں موجودہ حکومت کے زمانے میں۔ بہتر یہ کہ ان نوجوان ادیبوں کو بسا اوقات انعامات بھی دیے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ہفتے مختلف صوبوں سے نوجوان ادیبوں کی ایک بڑی تعداد کیفے گیجان (Cafe Gijon) وارد ہوتی تھی تاکہ یہاں کے ادیبوں کی کسی جماعت میں شامل ہو جائے اور ادیب کی حیثیت سے شہرت اور دولت حاصل کرنے کے خواب جو وہ اتنی مدت سے دیکھ رہے تھے پورے ہو سکیں۔ غرض یہ کہ ادیبوں کے ساتھ بے انتہا لطف و عنایت کا سلوک کیا جاتا تھا۔ اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ اس طرح کی ہمت افزائی اچھا ادب پیدا کرنے میں قطعاً ناکام ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی ہوا۔

پرانے سیاسی حریفوں کو ـــ جو ایسے پرانے بھی نہ تھے اور جن میں سے بعض کو دو تین ہی سال پہلے سولی پر لٹکائے جانے کا حکم ہو چکا تھا ـــ خاص مراعات حاصل تھیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نیشنلسٹ لوگوں کے مقابلے میں ان کو ترجیح دی جاتی تھی۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا نوجوان ادیبوں پر انعام و اکرام کی یہ بارش بے سود ثابت ہوئی۔ اسپینی عوام ویسے ہی کم کتابیں خریدتے تھے اب وہ اور بھی کم کتابیں خریدنے لگے جنوبی امریکہ میں اسپینی کتابوں کی فروخت بالکل بند ہو گئی۔ چنانچہ ان نوجوانوں نے بددل ہو کر صحافت اور دوسرے پیشوں کو اختیار کرنا شروع کیا کیونکہ ان میں سے اکثر کم حیثیت گھرانوں کے تھے۔

ادبی گرم بازاری اور گہما گہمی کے اس زمانے کی یادگار وہی چند شاعر ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ یا پھر ایک ڈرامہ نگار "روئز اریارتے" (Sr. Ruiz iriarte) اور ناول نگار سیلا (Sr. Cela) ہیں۔ سیلا ایک اچھا فن کار ہے۔ اس کے باوجود کہ اس کی ادبی نشوونما میں سرکاری پرچوں کا کافی ہاتھ رہا۔ پھر بھی اُس زمانے کی ادبی افراتفری میں اُس نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا۔ اُس نے اپنی ناولوں میں اکثر کسی غیر معمولی حالت (Situation) کو بیان کرنے کے لئے اسپینی زبان کی قدیم ترکیبوں اور محاوروں کو بڑی چابک دستی سے استعمال کیا ہے جس سے اس کی ناولوں میں ایک انفرادی رنگ اور ایک خاص پُر اثر فضا بن جاتی ہے جو قاری کے لئے دلچسپی اور کشش کا باعث ہوتی ہے۔

سیلا کی پہلی تصنیف "پیسکول دوارتے کا خاندان" ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی تھی اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں ہو چکا ہے لیکن ترجمہ میں اصل کے طرزِ تحریر کو قائم نہیں رکھا جا سکا ہے۔ اور اس کو پڑھ کر ہم سیلا کے مخصوص طرزِ تحریر اور اس کے فن کی عظمت کا اندازہ نہیں لگا سکتے بہتر یہ کہ اس کتاب میں اکثر مقامات پر کہانی کے بعض کرداروں کی ذہنی کشمکش اور تاثرات کو ظاہر کرنے کے لئے قدیم اسپینی زبان کو نہایت موثر انداز میں استعمال کیا گیا ہے۔ ترجمے میں یہ تمام خوبیاں یکسر مفقود ہیں اور ترجمے میں نہ تو ہمیں اصل کتاب کے اسلوب کا اندازہ ہوتا ہے اور نہ کہانی کی گہرائی اور گیرائی کا۔ مثال کے طور پر اس کہانی کا مرکزی کردار دوارتے (Duarte) جو ایک کسان ہے اور قتل کا مجرم، جب اپنے مقتولوں کی کیفیت بیان کرتا ہے تو اپنی "تقریر" میں قدیم اسپینی زبان استعمال کرتا ہے۔ اصل کتاب کے پلاٹ میں اس تقریر کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور ادبی نقطۂ نظر سے یہ ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن ترجمے کا لباس پہن کر یہ اپنا اصلی رنگ و آہنگ کھو دیتی ہے۔

(باقی)

اعتماد

اکبر الطاف

چند لمحوں کے لیے اور ہے فانوس کا نور
پھر مری راہ میں حائل ہیں اندھیری راتیں
ایک موہوم تمنا کا لیے دل میں شرار
میں گزر جاؤں گا اس رات کی تاریکی سے
اور اک صبح کے رنگین اُجالے کی کرن
"گیت بن کر مرے ہونٹوں پہ مچل جائے گی"

بے وفا

جمیل قریشی

کھیل کر میرے جسم اور دل سے
جھوٹے وعدوں سے مجھ کو بہلا کر
آج شہنائیوں کے سائے میں
آس و اُمید کی طرح تم بھی
بے وفا میرا ساتھ چھوڑ گئیں

آج پھر نیم شب گزرنے پر
چاند نکلا ہے مسکراتا ہوا
کیف و سرمستیاں لٹاتا ہوا

میں نے سرد چاندنی میں آج
یاد کر کے تمہارے وعدوں کو
جھوٹی قسموں کو عہد و پیماں کو
جل رہا ہوں کسی چتا کی طرح
اور تم حجلۂ عروسی میں
اپنے شوہر سے کہہ رہی ہوگی
"آپ کی جان کی قسم مجھ کو
آپ سے بے پناہ اُلفت ہے"

"بن باس"

اسیر عارفی

تم کو تھا اس بات کا دعویٰ
دھرتی کی تم بھی سیتا ہو!
لیکن آج تو راون نے ہی
جیت لیا ہے من کا دیس؟
رام اکیلا گھوم رہا ہے
نگر نگر پردیس!

نذرل کی نظمیں روسی زبان میں

مشہور باغی شاعر قاضی نذرالاسلام کی منتخب نظموں کا ایک مجموعہ حال ہی میں سوویت یونین میں شائع ہوا ہے۔ کلکتہ میں واقع روسی سفارت خانے کے شعبۂ اطلاعات کے اعلان کے مطابق سوویت یونین میں نذرالاسلام کی نظمیں جن کا ترجمہ ممتاز روسی شاعر میخائل کورگانسٹیف نے کیا ہے بہت مقبول ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ نظموں کے اس ترجمے کے دونوں حصوں کی ہزاروں جلدیں اشاعت کے فوراً بعد ہی فروخت ہو گئیں۔

اس اعلان میں مزید بتایا گیا ہے کہ نذرل کو بجا طور پر "باغی شاعر" کہنا چاہیے کیونکہ یہ نظمیں جذبۂ حب الوطنی اور انقلاب سے لبریز ہیں اور اسی وجہ سے سوویت عوام اس شاعر کے کلام کے اتنے گرویدہ ہیں۔ نذرالاسلام کی نظموں کے تراجم، اکثر سوویت رسالوں اور دوسری مطبوعات میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ (انڈین ایکسپریس)

"نہرو فیلوشپ"

یونیسکو کے انتظامی بورڈ کی آئندہ نشست میں "نہرو فیلوشپ" اور نہرو میموریل لیکچر شروع کرنے کی تجاویز پر غور ہوگا۔

ان میں سے چند تجاویز پر بورڈ نے اپنی حالیہ نشست میں جو حال ہی میں پیرس میں ختم ہوئی ہے غور و خوض کیا بھی ہے۔

شری بی۔ این۔ کرپال نے جو یونیسکو کے منتظم بورڈ میں ہندوستانی نمائندہ کی حیثیت سے شامل تھے بتایا کہ بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ بورڈ کے ۳۰ اراکین نے جواہرلال مرحوم کو جو خراج عقیدت پیش کیا تھا اس کی ایک جلد چھاپی جائے گی۔ (ہندوستان ٹائمز)

پروفیسر کاکوی اور پروفیسر سید حسن کے نئے عہدے

پروفیسر سید شاہ عطاء الرحمٰن کاکوی پٹنہ کے عربک پرشین انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے ہیں۔ موجودہ ڈائرکٹر پروفیسر سید حسن کو پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کا صدر بنا دیا گیا ہے۔ (صداقت، پٹنہ)

صندل اور گلاب

ادارہ بریز سرو دیسیز کرلا (بمبئی) اس نام سے اردو شاعروں کی تمام ان نظموں کو جو پنڈت جواہرلال نہرو سے متعلق ہیں مرتب کتابی صورت میں پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

بشیر علی صدیقی ایم۔ اے

پروفیسر حامد حسن قادری

اُردو ادب کا ایک اور چراغ گل ہو گیا۔ جناب حامد حسن قادری کا کراچی میں انتقال ہو گیا۔ مرحوم کی عمر ۸۰ برس کے لگ بھگ تھی۔ وہ جتنے اونچے معیار کے ادیب، نقاد، اور شاعر تھے اتنا ہی بلند اُن کا اخلاق و کردار تھا۔ ایسے فرشتہ خصلت انسان اب کہاں؟ انکسار اتنا کہ چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے اس طرح ملتے کہ وہ بیحد مسرور ہو کر واپس آتا۔ "تاریخ و تنقید اُردو"۔ "نقد و نظر" اور "داستان تاریخ اُردو" کے مصنف کے ادبی کارناموں پر تنقیدی نظر ڈالنا اس وقت مقصود نہیں ہے بلکہ ان تاثرات کا اظہار کرنا ہے جو موصوف کی اچانک موت سے پیدا ہوئے۔

میں قادری صاحب کو بچپن سے جانتا تھا جس وقت وہ حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور میں اُردو کے معلم تھے اور پندرہ روزہ اخبار "سعید" بچّوں کے لئے وہاں سے نکالتے تھے۔ اس کے بیشتر مضامین مجھے بہت پسند آتے تھے کچھ عرصے کے بعد میں کانپور آ گیا اور حلیم مسلم ہائی اسکول کی آٹھویں جماعت میں داخلہ لیا۔ قادری صاحب سینٹ جانس کالج آگرہ میں اُردو کے پروفیسر ہو کر تشریف لے جا چکے تھے۔ کانپور میں ان کی جگہ پر جناب سعید انصاری تشریف فرما تھے۔ ایک سال بعد سعید انصاری صاحب بھی وہاں سے تشریف لے گئے اور جناب طاہر فاروقی نے اُردو کی جگہ کا چارج لیا۔ میں نے ۱۹۳۱ء میں حلیم مسلم ہائی اسکول سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا تھا اس وقت تک فاروقی صاحب وہاں موجود تھے۔ بعد کو وہ بھی آگرہ کالج میں اُردو کے پروفیسر ہو کر چلے گئے۔ جولائی سنہ ۱۹۳۶ء میں سینٹ جانس کالج آگرہ کی بی۔ اے کلاس میں میرا داخلہ ہوا۔ میں ہیبلر ہی ہاؤس میں مقیم تھا وہاں سے اسٹاف روم بالکل قریب تھا۔ قادری صاحب سے روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔ میں نے بی۔ اے میں اُردو کا مضمون نہیں لیا تھا لیکن قادری صاحب کے کلاس میں اکثر جایا کرتا تھا۔ میں نے بے ضابطہ اُن سے اجازت لے رکھی تھی۔ درس و تدریس کا ان کا اپنا ایک مخصوص طریقہ تھا۔ کلاس میں ہر ایک طالب علم ہمہ تن گوش ہوتا تھا۔ مرحوم مزاحاً مجھ سے اکثر کہا کرتے تھے "حیرت ہے آپ بدایونی ہیں لیکن اُردو نہیں پڑھتے" میں فوراً جواب دیتا "میں نے بی۔ اے میں اُردو نہیں لی ہے لیکن ایم۔ اے میں اس کی تلافی کر دوں گا"۔ "شاہکار انیس" کے نام سے انہوں نے انیس کا مرثیہ جو بی۔ اے کے کورس میں تھا مرتب کیا تھا۔ مقدمہ کافی طویل و پُر مغز تھا۔ جس دن مرثیہ کا گھنٹہ ہوتا میں اُردو کلاس میں ضرور جاتا تھا۔ "کمال داغ" اُن کی ایک اور تالیف تھی اس کا بھی ذکر اکثر ان سے ہوتا تھا۔ لیکن آگرہ میں اس زمانے میں ان کی تاریخ گوئی کی دھوم تھی۔ پروفیسر ایل۔ پی ماتھر صاحب سنہ ۱۹۳۶ء میں لفٹننٹ سے کپتان ہوئے۔ مولانا نے فوراً تاریخ نکالی۔

"تمہیں اے ایل۔ پی ماتھر کپتانی مبارک ہو"

سیکڑوں فی البدیہہ تاریخیں مولانا نے کہی ہیں۔ اگر یکجا کر لی جائیں تو ایک کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ مولانا کے صاحبزادوں سے میری بے تکلفی تھی۔ ساجد میاں میرے بعد کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بی۔ ٹی میں کلاس فیلو ہوئے۔ ماجد میاں گورنمنٹ نارمل اسکول جھانسی میں سائنس ٹیچر ہو کر پہنچے تو میں گورنمنٹ انٹر کالج جھانسی میں وائس پرنسپل تھا۔ دوسرے تیسرے دن ملاقات ہوتی تھی۔ راشد میاں سب سے چھوٹے تھے۔ جب میں سنہ ۱۹۴۹ء میں گورنمنٹ ٹریننگ کالج آگرہ میں اُردو کا لیکچرار ہو کر پہنچا تو راشد میاں اکثر قادری صاحب کا پیغام میرے پاس کالج میں لاتے تھے۔ ان سے اس طرح ملاقات ہوتی تھی۔ میں ٹریننگ کالج آگرہ میں ایک سال رہا۔ ایل۔ ٹی گریڈ کے لئے اُردو ٹیچروں کا ریفریشر کورس کالج میں چل رہا تھا۔ میں اس کورس کا انچارج لیکچرار تھا۔ دو اُردو کے لیکچرار اور تھے۔ قادری صاحب کی پنشن میں دو ایک سال باقی تھے۔ کالج برابر تشریف لے جاتے تھے۔ میں اکثر ہر اتوار کے دن ان کے گھر پر حاضر ہوتا تھا۔ کٹرہ خانخاناں میں کرایہ کے مکان میں رہتے تھے مکان مشرقی تہذیب کا مکمل نمونہ تھا۔ قادری صاحب کو تو میں اس تہذیب و تمدن کا ایک ادارہ سمجھتا تھا۔ اس آگرے کی لیکچراری کے قیام میں قادری صاحب کو اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اکثر ادبی مباحث چھڑ جاتے اور اُن کے بصیرت افروز جملے اب تک میرے لئے رہنما کا کام کرتے ہیں۔ اپریل سنہ ۱۹۵۰ء میں میرا تبادلہ آگرہ سے جھانسی کا ہو گیا۔ قادری صاحب نے بڑی پُر تکلف دعوت کی جس میں ریفریشر کورس کے متعدد ماسٹر صاحبان بھی شریک تھے۔ اُن کا یہ جملہ ابھی تک کانوں میں گونج رہا ہے۔ "بشیر صاحب۔ آگرہ سے اتنی جلد طبیعت سیر ہو گئی۔ ابھی کچھ روز اور یہاں قیام کیا ہوتا"۔ میں نے "شاہ اینڈ کمپنی" کی قادری صاحب سے شکایت کی کہ "ادبی مقالات" کا اس نے ابھی تک کچھ حساب نہیں کیا ہے۔ فرمانے لگے "بھائی۔ میرے پاس بشیر احمد شاہ جس وقت آئیں گے اُن سے کہدوں گا۔ تم فکر مت کرو"۔

اعجاز صدیقی صاحب بھی میرے ہمراہ تھے۔ بعد میں یہ طے ہوا کہ اعجاز صدیقی صاحب اور میں بشیر احمد شاہ صاحب سے اس سلسلے پر دو ٹوک بات چیت اُن کی دوکان پر جاکر کریں اور کم از کم کچھ جلدیں "ادبی مقالات" کی شاہ صاحب سے اور لے لیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ قادری صاحب مراد آباد غالباً ۱۹۵۶ء یا ۱۹۵۷ء میں تشریف لائے اور جناب عظیم الحق جنیدی کے یہاں قیام کیا۔ وہ بچھڑوں جا رہے تھے۔ میں جنیدی صاحب کے یہاں جس وقت پہنچا وہ تشریف لے جا چکے تھے۔ اسکے بعد وہ کراچی تشریف لے گئے۔

قادری صاحب کے خلوص کا یہ عالم تھا کہ کوئی طالب علم کبھی ناکام آپ کے یہاں سے واپس نہیں لوٹا۔ دامے۔ درمے۔ قدمے۔ سخنے ہر قسم کی امداد فراہم کرتے تھے طبیعت میں انکسار اتنا تھا کہ ہر آدمی بہت جلد اُن سے بے تکلف ہو جاتا تھا اور اپنے دل کی بات بلا جھجک اُن سے کہہ دیتا تھا۔ یہ بات میں نے اور لوگوں میں کم دیکھی ہے۔ ملاقات کے لیئے انتظار کرنے کا ان کے یہاں کوئی سوال ہی نہ تھا۔ مغیث فریدی صاحب ایک مرتبہ کہتے تھے کہ کالج میں بورڈ کے امتحانات ہو رہے تھے۔ ایک دن صبح کی میٹنگ میں ان کی ڈیوٹی تھی۔ وہ اس کو بھول گئے۔ قادری صاحب کی ڈیوٹی نہ تھی۔ وہ صرف ٹہلنے کی غرض سے کالج علی الصبح چلے آئے تھے۔ مغیث صاحب کو وہاں نہ پاکر وہ انچارج کو اطلاع کرنے کے بعد خود ڈیوٹی پر چلے گئے اور شام کو یہ بات مغیث صاحب کو بتائی۔ غرض کہ قادری صاحب کی موت نے ہم سے ایک عظیم انسان چھین لیا ہے۔

مولانا حامد حسن قادری کی تصانیف

مطبوعہ کتابیں

تنقید
(۱) داستان تاریخ اردو
(۲) نقد و نظر
(۳) تاریخ و تنقید
(۴) تاریخ مرثیہ گوئی
(۵) کمالِ داغ
(۶) انتخاب مومن
(۷) شاہکارِ انیس

افسانے
(۸) صید و صیاد
(۹) ایرانی افسانے

مذہب
(۱۰) مجمع الکرامات

سوانح
(۱۱) ابراہیم لنکن
(۱۲) حسنین

تراجم
(۱۳) فطرتِ اطفال
(۱۴) باغبان
(۱۵) اکمل اور زندگی

نظم
(۱۶) مرثیہ شورِ محشر
(۱۷) قصیدہ عطار
(۱۸) گلدستۂ اخلاق
(۱۹) رفیق تنہائی

بچوں کا ادب
(۲۰) پھولوں کی ڈالی
(۲۱) ترانۂ ہند
(۲۲) گم شدہ طالب علم
(۲۳) ستارۂ ہند
(۲۴) حسن بگی
(۲۵) جادو گرنی
(۲۶) جنت کا پھل
(۲۷) گدڑی کا لال
(۲۸) کاغذ کے کھلونے

تدریسی کتب
(۲۹) بی۔ اے پرشین کورس
(۳۰) بہار نظم
(۳۱) جلال اردو
(۳۲) جمال اردو
(۳۳) منظر اردو
(۳۴) چمنستان اردو
(۳۵) دامن گلچیں
(۳۶) نہال اردو
(۳۷) انتخاب مراثی انیس و دبیر
(۳۸) نقش تلوہ نظم و نثر
(۳۹) حرف نو
(۴۰) Selected English Pieces for Urdu Translation

غیر مطبوعہ کتابیں
(۱) مقالات قادری
(۲) دفتر التواریخ
(۳) میزان التواریخ
(۴) جامع التواریخ
(۵) آثار التواریخ
(۶) تصویر التواریخ
(۷) جلوہ گاہ
(۸) خزانۂ رباعیات
(۹) مثنوی نمونۂ عبرت
(۱۰) انتخاب دیوان غالب فارسی
(۱۱) انتخاب دیوان غالب اردو
(۱۲) انتخاب اکبر الہ آبادی
(۱۳) دیوان غزلیات قادری
(۱۴) شجرۃ الانبیاء
(۱۵) اسبق الظفر
(۱۶) انتخاب مرزا بیدل
(۱۷) انتخاب رسا رام پوری
(۱۸) کلیات راز رام پوری
(۱۹) سر الکرامات
(۲۰) یوسف زلیخا
(۲۱) تذکرہ و تبصرہ
(۲۲) مقالات ادبی
(۲۳) جوہر شناسی اور دوسرے افسانے
(۲۴) Oriental Rhetoric
(۲۵) مذہبی باتیں
(۲۶) رباعیات قادری
(۲۷) گنجینۂ تواریخ
(۲۸) خلاصۂ تاریخ
(۲۹) نوادر منتخبۂ شعر و ادب
(۳۰) خزینۂ رباعیات
(۳۱) مراتب شعر و سخن
(۳۲) اردو قاعدہ

وقار خلیل

اُردو اور نہرو

مُلک کی بے گھر اقلیت کو سب سے بڑا صدمہ پہنچا ہے
اُن کا چہیتا، اُن کا پیارا
اُن کی اپنی زبان میں گھنٹوں بولنے والا
اُن کے حقوق کی خاطر پیہم لڑنے والا
اُردو کا شیدائی، محسن
اگلی شرافت کا دلدادہ
وقت سے پہلے جانے کیوں مُنہ موڑ گیا ہے
سب کو اکیلا چھوڑ گیا ہے
جاتے جاتے صبحِ یقیں کی منزل پر اِک شمع جلا کر
مُلک کی بے گھر اقلیت کو
آس نراس کے دوراہے پر چھوڑ گیا ہے

○

قاضی نذرالاسلام کی سالگرہ

پاکستان رائٹرز گلڈ لاہور کے شعبۂ بنگالی کے لکچرار مسٹر سی سی داس نے ۲۵رمئی کو مغربی پاکستان میں مشہور بنگالی شاعر قاضی نذرالاسلام کی سالگرہ منانے کی اپیل کی ہے۔ انھوں نے ایک بیان میں کہا ہے کہ قاضی نذرالاسلام کی نظموں اور گیتوں نے آزادی سے قبل بر صغیر ہند و پاک میں جذبۂ آزادی کو ابھارا تھا۔ لیکن مسلسل بیماری نے انھیں خاموش رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ مسٹر داس نے مغربی پاکستان کے اخبارات سے بھی اپیل کی ہے کہ وہ اس موقع پر خصوصی سال گرہ نمبر شایع کریں۔ (انجام۔ بمبئی)

ہندوستانی عالم کو انعام

ہندوستان پولینڈ دوستی سوسائٹی وارسا کی طرف سے "پولینڈ میری نظر میں" کے موضوع پر منعقد کئے گئے تحریری مقابلے میں مسٹر دینا کو پہلے انعام کا حقدار قرار دیا گیا مسٹر دینا وارسا یونی ورسٹی میں تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

ایک تقریب میں جس میں پولینڈ میں تعینات ہندوستانی سفیر مسٹر سنگھ بھی موجود تھے، مسٹر اور دوسرے انعام یافتگان کو انعامات تقسیم ہوئے۔

کتابوں کا عالمی میلہ

لندن میں ارلز کورٹ کے مقام پر کتابوں کا جو عالمی میلہ ہو رہا ہے اُس کی رسم افتتاح ملکہ الزبتھ نے انجام دی۔ دنیا میں یہ اپنی قسم کا پہلا میلہ ہے۔ میلہ کے دوران ادبی دنیا کی ممتاز شخصیتیں مختلف موضوعات پر لکچر دیں گی اور بحث مباحثوں میں حصہ لیں گی۔ اس میلہ میں دنیا بھر کے ناشروں کی ایک لاکھ کتابیں نمائش کے لئے رکھی گئی ہیں۔ (ناظم۔ رام پور)

بی۔ سی۔ رائے کی یاد میں نوبل پرائز

مغربی بنگال کے سابق وزیر اعلیٰ اور نامور ڈاکٹر بی سی رائے کی یاد قایم کرنے کے لئے ملک میں چھ ایوارڈ قایم کئے جا رہے ہیں جن میں سے پانچ نوبل پرائز کے طرز پر ہوں گے۔ یہ اعلان کرتے ہوئے میڈیکل کاونسل آف انڈیا کے صدر نے بتایا کہ اس کام کے لئے ایک فنڈ ڈاکٹر بی سی رائے نیشنل ایوارڈ فنڈ کے نام سے قایم کر دیا گیا ہے۔ فنڈ میں دو کروڑ روپیہ اکٹھا کرنے کا ارادہ ہے۔ (پرتاب۔ نئی دہلی)

مراسلات

ادیب اور فسادات

لائبریری میں بیٹھ کر خامہ فرسائی کرنے والوں کو کیا معلوم کہ ہندوستان میں فسادات کیوں ہوتے ہیں اور کون لوگ ان کی تنظیم کرتے ہیں۔ اگر آپ اپنے ملک میں ہونے والے فسادات کا خود ذہنی مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے پیچھے ایک "خفیہ مرکزی ہاتھ" کام کر رہا ہے اور اس کام کے پیچھے واحد مقصد ہے۔ ہندوستان کی ہر نئی نسل کے ذہن کو فرقہ پرستی کے زہر سے مسموم کر دینا۔ اس طرح مسلمانوں پر پے در پے ظلم و ستم ڈھا ڈھا کر ہندو مسلم خصومت کو زندہ رکھنا۔

میں اسے تسلیم کرنے سے رہا کہ ادیب فسادات کے خلاف جہاد بالسیف کر کے فسادات کو روک سکتا ہے۔ بنگلہ زبان میں کیسے کیسے انسانیت پرست اور مسلم نواز ادیب گذرے ہیں۔ ٹیگور، بنکم، چترنجن داس، شرت بوس، آشوتوش ——— ان سے کون واقف نہیں۔ کون سے بنگالی گھر میں ٹیگور کا کلیات موجود نہیں لیکن پھر بھی مغربی بنگال میں مسلمانوں کو ذبح کیا گیا۔

مسلمانوں میں کب یہ جائز ہے کہ ہندوؤں کو مارا کاٹا جائے، لیکن پھر بھی پاکستان میں فسادات ہوتے ہیں۔ اردو ادب اپنی مشترکہ تہذیب کے لئے کتنا مشہور ہے

لیکن پھر بھی پاکستان میں ہندو اقلیت انتہائی عدم سلامتی کے دور سے گذر رہی ہے۔

یہ سب خواب و خیال کی باتیں ہیں۔ عملی دنیا میں قدم رکھ کر دیکھئے کہ آگ کہاں کہاں لگی ہوئی ہے۔ آپکی ہزاروں پند و نصیحت کی کتابیں ایک طرف، اور ادھر اوپر سے ایک اشارہ ایک طرف۔ بے شک اچھی قوم اچھا ادب پیدا کرتی ہے، لیکن اسے تو میں ماننے سے رہا کہ اچھا ادب اچھی قوم کو جنم دے سکتا ہے۔

آج آپ اردو کے پلیٹ فارم سے اس لئے فسادات کے خلاف علم بلند کر رہے ہیں کہ ان فسادات سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کے نتیجے کے طور پر اردو کو نقصان پہنچتا ہے۔ (میں تو کئی بار یہ کہہ چکا ہوں کہ کسی زبان کی زندگی کا انحصار اس زبان کی آبادی کی زندگی پر ہے۔) کیوں، آپ کے علاوہ ہندی، بنگلہ کے پلیٹ فارموں سے کیوں کوئی حریف فسادات نہیں اٹھتا۔ اور اٹھنے کا ہے کو لگا۔ اردو کے سوا ہندوستان کی تمام زبانیں تو ہندو مذہب سے چپکی ہوئی ہیں۔ فسادات سے ان کو کوئی نقصان تھوڑے ہی پہنچتا ہے۔

آپ ادب کی باتیں کرتے ہیں، یہاں مذہب کی تو کوئی سنتا نہیں۔ نہ ہندو مذہب میں فسادات جائز ہیں، نہ اسلام میں! لیکن پھر بھی ہندو پاک کے دامن ان سے داغ دار ہیں۔

آج کے ۹۹ فی صد ادیب میکانکی ادیب ہیں۔ یہ کیا جانیں اعلیٰ انسانی اقدار۔ ان کے قول و فعل میں قطبین کا تضاد ہے۔ اب ایسے ادیب فسادات کو کیا خاک روکیں گے! انہیں تو فرض شناس پولیس روک سکتی ہے، خدا ترس سرکاری عہدیدار روک سکتے ہیں۔

ہماری سیکولر جمہوریت کا صدر اخلاقیات کا کتنا زبردست عالم ہے، کتنا بڑا دانشور ہے، لیکن پھر بھی ہم ہندوستانی، اپنے صدر کی باتوں کو بھلا کر، آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہتے ہیں۔

پھر ادب کو لے کر بھی تو جھگڑا ہوتا ہے۔ اردو ہندی کا جھگڑا، بنگالی آسامی کا جھگڑا۔

اقبال کرشن

اُردو کیوں اور کس لئے

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کل حکومت کی توجہ اس زبان کی سرپرستی سے ہٹتی جا رہی ہے۔ صرف ہم ہی نہیں بلکہ وہ ارباب بھی جو ہر مسائل کو سیاسیات سے بلند ہو کر دیکھتے ہیں وہ بھی اس خیال سے متفق ہیں لیکن صرف

حکومت ہی کو اس سلسلے میں ذمہ دار ٹھہرانا کہاں تک درست ہے کیا اردو داں طبقے پر اردو کے تحفظ اس کی ترویج اور اشاعت کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؟ جب ہمیں اس زبان سے محبت ہے اور جب ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ اردو کے ساتھ تہذیب اور معاشرت کا گہرا تعلق ہے تو اپنے بچوں کو اردو کی طرف رجوع نہ کرانے کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم اردو کے تمام بہی خواہوں اور خصوصیت کے ساتھ تامل ناڈ کے اردو دوستوں سے مخلصانہ گذارش کرتے ہیں کہ وہ وقت کی نزاکت کو سمجھیں اور اردو کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہو جائیں۔

اس ضمن میں ہمیں چاہیے کہ جن مدرسوں اور کالجوں میں اردو کے شعبے ختم کر دیے گئے ہیں ان کی بحالی کی، اور جہاں اردو دم توڑ رہی ہے اس کی حفاظت کی کوشش کریں۔ جہاں تک ہمیں علم ہے۔ امریکن کالج مدورا، گورنمنٹ کالج یم، گورنمنٹ کالج کمبھکونم اور مدراس کے کرسچین کالج و اپتھراج کالج سے اردو ختم کر دی گئی ہے۔ تامل ناڈ کے ان چار اہم مقامات پر اردو کی بحالی کی کوشش وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اسی طرح مدراس کے گورنمنٹ آرٹس کالج، نیو کالج، پریسیڈنسی کالج ایس، آئی، ٹی، کالج اور ترچناپلی کے جمال محمد کالج، وانمباڑی کے اسلامیہ کالج میں جہاں اردو کے شعبے موجود ہیں ان شعبوں کا تحفظ ہمارا اخلاقی فرض ہے۔

اس سلسلے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ کالجوں میں اردو کی بحالی، ہائی اسکولوں اور ایلمنٹری اسکولوں میں اردو کی بحالی پر موقوف ہے نہ صرف یہی بلکہ اردو کی بقا والدین اور اساتذہ کی توجہات پر مبنی ہے۔

آخر میں اردو کے بہی خواہوں سے ہم یہ عاجزانہ گذارش کرتے ہیں کہ اس اپیل پر سنجیدگی سے غور کریں اور اردو کے تحفظ اور اس کی بقا کے لئے جتنے بھی اہم مسائل در پیش ہیں انہیں جوش سے زیادہ ہوش سے کام لے کر سلجھانے کی کوشش کریں۔ اردو زندہ باد۔ جے ہند۔

حسرت سہروردی

کلیاتِ ہیگل

ہیمبرگ، مغربی جرمنی کے ایک اشاعت گھر فیلکس اینر فیرلاگ نے ہیگل کے مجموعے کی نو اشاعتی کا کام شروع کر دیا ہے۔ پہلی جلد عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ پورا مجموعہ ۳۲ جلدوں کو محیط ہوگا۔ مجموعے کی ترتیب میں بیس سال کا طویل عرصہ لگا ہے۔

انجمن بودھن کا جلسہ

۱۳ر جون ۱۹۶۴ء کو انجمن ترقی اردو شاخ بودھن کا جلسۂ عام زیر صدارت مولوی ابوالخیر صاحب صہبا منعقد ہوا۔ معتمد نے انجمن کی دو سالہ کارگذاری اور حسابات کی رپورٹ پڑھ کر سنائی جس کی توثیق کی گئی۔
بعد ازاں حسب ذیل حضرات کا انتخاب عمل میں آیا۔

جناب سید عبدالرشید صاحب رنگین اور جناب محبوب احمد صاحب اختر نائب صدر، جناب بریندر کمار صاحب چیف آرگنائزر اور مہتمم ڈرامہ جناب شرف الدین صاحب شاکر شریک معتمد۔ جناب شبیر علی صاحب شاہد اور جناب مرتضیٰ حسین صاحب آرگنائزر۔ جناب حافظ رفیق احمد صاحب منصف مہتمم شعبۂ تعلیم اور شعبۂ نظم۔ جناب صدر الدین صاحب فرخ مہتمم شعبہ جات نثر و دارالمطالعہ و بیت بازی اور تنقیح حسابات۔ جناب عبدالرحیم صاحب شیدا مہتمم شعبۂ نشر و اشاعت۔
ایک غیر طرحی مشاعرہ پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

ساغر حیدرآبادی معتمد

انجمن ترقی اردو ضلع پٹیالہ کی تشکیل

پٹیالہ۔ ۲۲ر جون ۱۹۶۴ء۔ گذشتہ شب انجمن ترقی اردو پٹیالہ ڈویژن کے کنوینر شری ساحر سنامی کے ایماء پر ایک عظیم الشان نشست کا انعقاد ہوا۔ جس میں شہر کے سرکردہ معززین، شعراء اور ملک ادم پرکاش آنند جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو پنجاب نے شرکت فرمائی۔ نشست کی صدارت جناب بھٹناگر صاحب ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر پٹیالہ نے فرمائی۔ محفل مشاعرہ نہایت کامیاب رہی۔ انجمن ترقی اردو ضلع پٹیالہ کے عہدیداران کا حسب ذیل انتخاب اتفاق رائے سے منظور ہوا۔

جناب جلجیت سنگھ ملہوترہ سرپرست۔ پروفیسر کرپال سنگھ بیدار سرپرست۔ جناب ودیا ساگر سوری سرپرست۔ جناب پرمیشور سروپ شوخ سرپرست جناب ہربنس سنگھ تیج سپرنٹنڈنگ انجینئر صدر۔ جناب طالب شملوی جنرل سکریٹری۔ جناب جگر جالندھری سکریٹری، جناب مہیش پٹیالوی پروپیگنڈا سکریٹری۔ جناب سوز فنانشل سکریٹری۔ آخر میں ملک ادم پرکاش اور دیگر حاضرین نے جناب تیجونت رائے ساحر سنامی کے کام کی سراہنائی اور انھیں انجمن کی باقاعدہ تشکیل پر مبارکباد دی اور شری ساحر کو مشیر خصوصی بنایا۔

مہیش پٹیالوی پروپیگنڈا سکریٹری

کوئٹہ میں ادبی نشست

۲۴ر جون ۱۹۶۴ء کو زیر اہتمام بزم ادب کوئٹہ، بمقام مولانا آزاد لائبریری جناب شانتی لال بھارد واج راکیش جنرل سکریٹری راجستھان ساہتیہ اکیڈمی اودے پور کے اعزاز میں ایک خصوصی ادبی نشست منعقد ہوئی۔
موصوف نے راجستھان ساہتیہ اکیڈمی کے متعلق مفید معلومات بہم پہنچائیں اور کوٹہ کے اردو شعراء کو اکیڈمی سے نکلنے والے پرچوں میں چھپنے کا مشورہ دیا۔
اس نشست میں ایک کہانی سنائی گئی اور مشاعرہ بھی ہوا۔

(جنرل سکریٹری بزم ادب کوٹہ)

"بہارِ دانش" روسی زبان میں

عنایت اللہ کی ممتاز ترین تصنیف "وفادار اور بے وفا بیویاں یا بہارِ دانش" روسی زبان میں پہلی مرتبہ شائع کی گئی۔ پہلی اشاعت میں ایک لاکھ پندرہ ہزار جلدیں طبع کی گئیں۔ عنایت اللہ ۱۶۰۸ء میں ہندستان میں پیدا ہوئے اور ۱۶۷۱ء میں انتقال کیا۔ بہارِ دانش اُن کی فارسی تصنیف ہے۔
"بہارِ دانش" کا روسی ترجمہ براہِ راست فارسی سے کیا گیا ہے۔

اُردو روسی اسکولوں میں

روس کے نائب قونصل نے پٹیالہ میں اخبار نویسوں کو بتایا کہ روس کے تقریباً ایک درجن بڑے اسکولوں میں ہندوستان کی تین زبانیں پڑھائی جارہی ہیں۔ یہ تینوں زبانیں ثانوی زبان کا درجہ رکھتی ہیں اور لازمی طور پر رائج ہیں۔ یہ تین زبانیں اردو، بنگالی اور ہندی ہیں۔

(مسلمان۔ مدراس)

بنکم چندر چٹرجی کی رہائش گاہ

بنگلہ زبان کے مشہور و معروف ادیب بنکم چندر چٹرجی جس مکان میں رہتے تھے، حکومت مغربی بنگال نے اُسے لے کر قومی یادگار کے طور پر رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس مکان میں کالج کے طلبہ کے لئے ایک بڑی لائبریری قائم کی جائے گی۔ (آزاد ہند۔ کلکتہ)

ضیاء احمد بدایونی

تبصرہ

نزہتِ دل

مصنف مہر مہسلائی
ملنے کا پتہ۔ ایس۔ آئی قادری۔ فاطمہ منزل۔
۱۸ جیل روڈ۔ بمبئی ۹
صفحات ۲۶۳۔ قیمت چار روپے۔

یہ جناب مہر مہسلائی کا مجموعۂ اشعار ہے جو حمد و نعت غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے اور جس کے شروع میں انتساب کے بعد مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کا مقدمہ جناب ادیب مالیگانوی کا منظوم خطاب اور مصنف کی طرف سے اظہارِ حال ہے۔ مہر صاحب علاقہ کوکن کے رہنے والے ہیں جو اردو کے مرکزوں سے کافی دور ہے۔ اس کے باوجود وہاں اردو کا خاصا چرچا ہے جو اردو کی ہمہ گیری کا ایک بدیہی ثبوت ہے۔ خود مہر صاحب ایک خوشگو شاعر ہیں، جن کے یہاں پاکیزگیِ خیالات، صدقِ جذبات اور صحتِ فن کی کمی نہیں۔ ان کی حمد و نعت میں صحتِ عقیدہ اور حسنِ ادا کی شان ہے اور غزلیں اور نظمیں بھی پڑھنے کے قابل ہیں۔ یہ درست ہے کہ بعض غزلوں میں بھرتی کے اشعار بھی ہیں۔ اور چند تاریخی نظمیں پختگی اور شعریت سے معرا ہیں۔ اسی کے ساتھ کہیں کہیں ثقیل اور غیر مانوس تراکیب بھی نظر آتی ہیں، مثلاً منحرف التفاتِ محبت۔ ملتفت انحراف تحسیل۔ امتزاج تکاسل۔ احتمال صدائے ترحل۔ جزر تعزل وغیرہ۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ مہر صاحب کے کلام میں ایسے مقامات اکثر آتے ہیں جو ایک قاری کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں، اور جن کی بنا پر ان کے حسنِ خیال و حسنِ ادا کی تحسین کرنا پڑتی ہے۔ مثالیں خاصی ہیں۔ یہاں صرف چند پر اکتفا کی جاتی ہے۔

زمیں مہر وہ، آسماں اللہ اللہ — نشاں تیرا لے بے نشاں اللہ اللہ
زمیں سرفراز، آسماں سرخمیدہ — مسلسل یہ سرگوشیاں اللہ اللہ
زندگی اور موت کے مالک — درد تیرا علاج بھی تیرا
حشر میں کون ہوگا تیرے سوا — شاہ بھی تو، خراج بھی تیرا

اللہ رے معراج محبت کی فضیلت
اللہ بلا سیدِ مکی مدنی سے
پھر چشمِ تمدن کو ہے سرمے کی ضرورت
لا باد صبا گرد مدینے کی گلی سے

بھولے سے بھی بہار کا آتا نہیں خیال
وابستہ ہو چکا ہوں میں اتنا خزاں کے ساتھ

اللہ رے پائے ناز کی نازک خرامیاں
محشر بپا ہو اور کسی کو خبر نہ ہو

اللہ ایک اشکِ ندامت میں یہ اثر
ہے جوشِ بحرِ رحمتِ پروردگار میں

خود گم ہوا تو راہ ملی کوئے ناز کی
منزل سے ہے قریب جو منزل سے دور ہے

یہ مانا کہ کچھ داغ اشکوں نے دھوئے
مگر سیکڑوں ہیں جو مٹنے نہ پائے

بات کیا تھی وہ مرے ذہن سے اتری لیکن
یاد ہے آپ کا انگشت بہ دنداں ہونا

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

نئی صبح

مصنف۔ ارشد مختار
ناشر۔ آزاد کتاب گھر۔ کلاں محل دہلی ۶
سائز۔ ۲۰×۳۰/۱۶۔ صفحات ۱۶۹
قیمت۔ تین روپے

مسلمانوں کی ایجادیں

مصنف۔ محمد حنیف اللہ پھلواروی
ملنے کا پتہ۔ دفتر یونٹی و انصاف۔ ۱۰۰ الیاقت بازار کراچی
سائز۔ ۲۰×۳۰/۱۶۔ صفحات ۸۰
قیمت۔ پچاس نئے پیسے

شادی کے ستارے

مصنف۔ احمد منجم
ناشر۔ احمد منجم لکشمی بلڈنگ کلیر روڈ بمبئی ۸
سائز۔ ۲۰×۳۰/۱۶۔ صفحات ۹۶
قیمت۔ دو روپے

مطلعِ وطن (حصۂ اول)

مصنف۔ سید علی مہدی رضوی
ملنے کا پتہ۔ سید علی مہدی رضوی (ایڈووکیٹ)
نامی منزل۔ بلرام پور ضلع گونڈہ
سائز۔ ۲۰×۳۰/۱۶۔ صفحات ۱۶۰
قیمت۔ پانچ روپے

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا